"دو سنگموں کا حیرت انگیز توافق"

از

(جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم۔ اے۔ ڈی۔ فل)

لکچرر عربی و فارسی یونیورسٹی الہ آباد

اگر آپ سنگم کا نام کسی کے سامنے لیجئے گا تو معًا اس کا ذہن شہر الہ آباد (پریاگ) کے اس حصہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو دریائے جمنا (جمن) اور دریائے گنگا کے اتصال سے پرانی جھونسی کے قریب بن گیا ہے، اس سنگم کو ہندو حضرات نے کئی ہزار برس سے مقدس مانا اور اس کے ساتھ نہایت عظمت و احترام کا برتاؤ کیا ہے میرے نزدیک ان دونوں دریاؤں کے تقدس اور اس کے سنگم کا تبرک کا عقیدہ آرین قوم نے یہاں جاری کیا ورنہ ہند کے قدیم اقوام مثل دراوڑ وغیرہ کا یہ عقیدہ نہ تھا میرے نزدیک اس کی دو وجہیں ہیں۔ اولؔ یہ کہ آرین قوم یہاں فاتح بن کر آئی تھی۔ قیاس باور نہیں کرتا کہ فاتح نے مفتوح کا عقیدہ اپنا لیا ہو۔ فاتح تو خود اپنی تہذیب، اپنے مذہب، اپنے اوضاع و اطوار اپنی روایات کی طرف مفتوح کو جذب اور ضم کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ دومؔ یہ کہ میں نے دراوڑ قوم کا یہ عقیدہ تاریخ کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا، مورخوں نے دراوڑ کے عقائد و اطوار کا کچھ نہ کچھ تذکرہ کیا ہی ہے مگر اب تک کسی نے یہ عقیدہ ان کا نہیں لکھا، میں اس کا تو اعتراف کرتا ہوں کہ تاریخ جیسے وسیع فن پر مجھے زیادہ عبور اور نظر نہیں ہے تاہم جن چند مستند مورخین کی کتابیں میں نے دیکھی ہیں ان میں ان کا یہ عقیدہ کہیں نہیں دیکھا۔

یوں تو قدیم قومیں جتنی بھی ہیں اور جہاں جہاں بھی ہیں سبھوں نے اپنے اپنے ملک کے دریاؤں کو محبوب و عزیز رکھا کیوں کہ انسانی ضروریات زندگی کا پورا کرنے میں پانی کا جو درجہ ہے ظاہر ہے حتی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا کہ

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ

ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی ہی سے بنایا ہے۔

بلکہ یہ دیکھ کر کہ پانی ہی پر زندگی کا دارومدار ہے اور یہ مایۂ زندگی ہے بعضوں نے تو اسی عام پانی کو جو ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے اور ہر شخص کے استعمال میں آتا ہے "آبِ حیات" کہہ دیا یعنی ہر پانی خود عینِ زندگی اور نفسِ حیات ہے۔ غرض جب عام پانی بھی اتنا کچھ ہر دل عزیز، نافع، حاجت روا، فرحت افزا اور جاں بخش ہے تو اگر کسی دریا کے متعلق کچھ مذہبی روایات کچھ عقیدت فزا واقعات و حکایات بھی ہوں تو پھر تو اس کی اہمیت اور ہر دلعزیزی کا بھلا کیا ٹھکانا ہوگا اور دریائے گنگا و جمنا کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہے، ہندو حضرات کے یہاں ان دونوں کے متعلق مذہبی روایات ٹھیک اسی طرح موجود ہیں جس طرح عراق کے دریائے فرات اور مصر کے دریائے نیل کے متعلق خود اہلِ اسلام میں روایات موجود ہیں کہ ان دریاؤں کی سوتیں اور جڑیں جنت کی نہروں سے نکلی ہیں[1]۔ اب چونکہ انسان عاقل اور متمدن ہونے کے ساتھ ساتھ عجائب پسند بھی واقع ہوا ہے اس لئے بالعموم یہ صورت پیش آتی ہے کہ جب مذہبی روایتیں کسی چیز کی فضیلت میں موجود ہوتی ہیں تو ہر قوم میں دو قسم کے لوگ ہو جاتے ہیں ایک قسم بہت خوش عقیدہ اور سادہ مزاج لوگوں کی ہوتی ہے جو فرطِ عقیدت میں بعض وقت ان روایات کی مناسب حدود سے بھی کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں اور دوسری قسم ان کی ہوتی ہے جو عقیدت اور عمل میں درجۂ اعتدال میں رہتے ہیں، آپ اگر دوسرے ممالک کے دریاؤں کے ہم سایوں کا جائزہ لیں گے تو یقیناً وہاں بھی آپ کو کچھ لوگ ایسے ملیں گے جو عقیدت مندی کی رو میں بہہ کر حدود سے دور نکل گئے ہیں۔

بہر حال ہندو حضرات میں ان دونوں دریاؤں کی نفع بخشی اور حاجت روائی کا مشاہدہ تو عام تھا ہی اس کے ساتھ مذہبی روایات بھی تھیں اس لئے ان کی بنیادوں پر ان سے متعلق بہت گہرے عقائد بھی ہیں۔ یہاں مجھے نہ تو ان کے عقائد کا جائزہ لینا ہے اور نہ ان کی روایات سے متعلق کوئی بحث کرنی ہے کہ یہ امور میرے موضوع سے خارج ہیں، میں تو اس وقت ان کے ایک مذہبی تخیل کا ذکر اس سلسلہ میں کرتا ہوں کہ مجھے تاریخ اور جغرافیائے عالم میں ایک اور سنگم کا حال بھی معلوم ہے جس کا حال بہت کچھ اس الہ آبادی سنگم کے حال سے ملتا جلتا ہے۔

---

[1] دیکھو مشکوٰۃ باب المعراج

ہندو حضرات کا تخیل اور تصور اس سنگم کے متعلق جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے یہ ہے کہ:۔

۱۔ دریائے جمنا اور گنگا چونکہ کسی رشی کی جٹاؤں سے نکلتی ہیں جو ہمالیہ کے کسی چشمہ کے قریب مقیم تھے اس لئے یہ دونوں دریا بھی بہت متبرک اور مقدس ہیں۔

۲۔ ان دونوں دریاؤں کے نقطۂ اتصال پر ایک چشمہ "سرسوتی" نام کا اور بھی موجود ہے جو نگاہوں سے مخفی ہے وہ بھی بہت مقدس ہے۔

۳۔ ان تینوں پانیوں (دریاؤں) کی وجہ سے اس نقطۂ اتصال کو "سنگم" (ملاپ کی جگہ) اور "تربینی" (تین کا مجموعہ) کہتے ہیں اور سارے تبرک و تقدس کا سرچشمہ دراصل یہی تربینی ہے اسی لئے گناہوں کا کفارہ اسی جگہ کا غسل بنتا ہے۔

(۲)

سنگم یا دریاؤں کے نقطۂ اتصال کو عربی زبان میں "مجمع البحرین" کہتے ہیں" (اور اگر بالفرض عام طور پر نہ کہتے ہوں تو کہا تو یقیناً جا سکتا ہے) لیکن واضح رہے کہ سنگم یا دو دریاؤں کے اتصال کا موقع ساری دنیا میں ایک ہی نہیں ہے چنانچہ تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ "مختلف دو دریاؤں کے ملنے کے متعدد مواقع ہیں"[۱] اور ظاہر بھی ہے کہ دو دریا، دو سمندر۔ ایک دریا اور ایک سمندر۔ یا کئی دریا و سمندر اس وسیع دنیا میں معلوم نہیں کتنی جگہوں پر ملے ہوں گے۔

آیئے تبدیلِ ذائقہ کے لئے آپ کو ایک دوسرے سنگم کا ایک مشہور واقعہ سناؤں:۔۔

آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے ایک جلیل القدر شخصیت (حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مبارک ذات) عالم وجود میں آئی جو مظلوموں کی ہمدرد اور ظالموں کی سرکوب تھی۔ جو مزدوروں اور محکوموں کی حمایتی اور مغرور رئیسوں کے لئے قہرِ خداوندی تھی۔ اس نامور ہستی نے وادیِ نیل جیسی زرخیز سرزمین کے عیش پسند اور خود پرست بادشاہ طوطمیس[۲] اول (یا مصعب بن[۳] ریان) نام کی ساری فرعونیت کو تنِ تنہا اپنی خداداد معجزانہ طاقتوں سے ختم کر کے دھر دیا تھا۔

---

[۱] ج ۶ ص ۱۲۸ [۲] عبد اللہ یوسف کا ترجمہ قرآن انگریزی [۳] بیضاوی ص ۴۳

خیر فرعون کی ان سے دشمنی اور اس دشمنی کے باوجود خود اسی کے محل میں ان کا پرورش پانا۔ پھر دوسرے شہر کو ان کا چلا جانا۔ پھر شادی پھر نبوت کا ملنا یہ سب ایک طویل داستان ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ہم ان واقعات کو نظر انداز کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں جو ایک سنگم کے قصہ سے وابستہ ہے :-

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مجمع میں تبلیغی وعظ فرما رہے تھے جب وعظ ختم ہوا تو ایک آدمی نے آپ سے پوچھا کہ بھلا بنی اسرائیل میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی عالم ہے؟ موسیٰؑ نے فرمایا کوئی نہیں اگرچہ آپ کا یہ جواب ایک واقعہ اور حقیقت نفس الامری تھا مگر چونکہ اس سے بظاہر اپنی بڑائی کا دعویٰ بھی ثابت ہوتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندہ (موسیٰؑ) کی زبان سے یہ جواب ان کے اخلاقِ عالیہ کے مخالف اور ناپسند معلوم ہوا تو وحی میں ارشاد ہوا کہ میرا ایک بندہ ہے اسے میں نے اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا فرمایا ہے، وہ تم سے علم میں بڑھا ہوا ہے۔ اس ارشاد میں جو ایک مخفی لطیف تنبیہ تھی حضرت موسیٰؑ اسے سمجھ گئے اور اپنے دعویٰ نما جواب پر استغفار کیا پھر عرض کیا بارِ الٰہا آپ کے اس بندۂ خاص کا کیا نام ہے اور ان کی جائے قیام کہاں ہے؟ ارشاد ہو تاکہ میں بھی ان کی زیارت کروں اور ان کے علم سے کچھ مستفید ہو سکوں، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ" وہ مجمع البحرین یعنی دو دریاؤں کے ایک سنگم پر ملیں گے" ان سے ملنے کے لئے جب جانے لگو تو مچھلی نمک لگا کر تل بھون کر ساتھ ضرور لے لینا جس سنگم پر وہ مچھلی زندہ ہو کر تمہارے پاس سے نکل جائے بس اسی جگہ سنگم پر میرا بندہ تمہیں ملے گا، یہی ان کا پتہ ہے۔

صاحبِ حیاتِ خضر کی رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سنگم کی تعیین حضرت موسیٰؑ سے کر دی تھی (صفحہ ۱) مگر صاحب بیان القرآن کے مذکورہ جملہ (دو دریاؤں کے ملنے کے متعدد مواقع ہیں) سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سنگم کا متعین پتہ حضرت موسیٰؑ کو نہیں بتایا گیا تھا نیز دو قرائن اور بھی ہیں جن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سنگم کی تعیین نہیں کی گئی تھی۔

قرینہ اول۔ اگر سنگم کی تعیین ہی کر دی گئی تھی تو پھر مچھلی کے عجیب زندہ ہو کر پاس سے نکل

جلنے کا پتہ مقرر کرنا اور بتانا تقریباً بے کار ہو جاتا ہے۔

قرینہ دوم۔ اگر تعیین ہوتی اور جیسا لوگوں نے لکھا ہے کہ بحر احمر کی دو شاخوں کے باہم ملنے کی جگہ ہی مراد تھی تو گو موسیٰؑ کے لئے اس کا تصور تو نہیں کیا جا سکتا کہ آپ جغرافیائی نقشہ سے اطلاع رکھتے ہوں مگر تاہم ان کے اہلِ وطن میں اس کی واقفیت ناممکن نہ ہونی چاہئے کہ فلسطین کے پاس والا دریا دراصل ایک بڑے دریا کی ایک شاخ ہے جو کہیں آگے چل کر مل گیا ہے اور وہ جگہ زیادہ دور نہیں تو اس کے لئے آپ کا یہ طرزِ بیان کہ "میں جب تک اس سنگم تک نہ پہنچ لوں گا چین نہ لوں گا چاہے مجھے سالہا سال چلنا پڑے" کسی طرح مناسب اور معقول نہیں معلوم ہوتا اس لئے میرے نزدیک سنگم کی تعیین نہیں کی گئی تھی بلکہ اس سنگم کا بھی پتہ وہی مچھلی کا زندہ ہو کر غائب ہو جانا تھا اور حضرت موسیٰؑ نے اسی لئے یہ فرمایا کہ جب تک ایسے سنگم پر جہاں وہ مچھلی گم نہ ہو جائے نہ پہنچ لوں گا چین نہ لوں گا گو سالہا سال گذر جائیں۔

بہرحال یہ تو ایک علمی بحث ضمناً نکل آئی تھی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ موسیٰؑ نے سامانِ سفر درست کرنا شروع کیا سب سے پہلے رفیقِ سفر کے انتخاب کا مسئلہ تھا تو آپ نے حضرت یوشعؑ کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ فرمایا جو اس وقت تو آپ کے صحابی تھے مگر آپ کے بعد آپ کے جانشین اور پیغمبر ہوئے اس کے بعد آپ نے مچھلی نمک ملا کر تل بھون کر ساتھ لی۔ اس کے بعد آپ طلبِ علم کی دھن میں ایک طالبِ صادق بن کر اس نامعلوم درسگاہ کی طرف اس نامعلوم استاد کی تلاش میں چل کھڑے ہوتے اور چونکہ کسی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ کسی سنگم ہی کی انھیں تلاش تھی اس لئے انھوں نے سمندر کے کنارے ہی کنارے چلنا شروع کیا اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو کتنے برسوں کی مدت اور کتنی مسافت طے کرنے کے بعد وہ سنگم ملا اور پھر پہلے ہی سنگم پر وہ معلم مل گئے یا کتنے سنگموں سے آپ کو ناکام گذرنا پڑا بہرحال ایک دن آپ کو یہ سنگم ملا دونوں مسافر وہاں ٹھہر کر کچھ دیر تک تو مچھلی کے غائب ہونے کا انتظار کرتے رہے اس کے بعد دونوں حضرات اپنے سامانِ سفر ہی کے قریب سو گئے کچھ

دیر کے بعد پہلے حضرت یوشع کی آنکھ کھلی، انھوں نے وضو کے لئے پانی لینا چاہا تو دیکھا کہ دونوں سمندر (یا دونوں دریا) تک تو پھر بھی کچھ فاصلہ ہے مگر ایک چھوٹا سا چشمہ صاف پانی کا بالکل قریب ہی ہے انھوں نے اسی کا پانی لیا اور قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ کر وضو کرتے (منہ ہاتھ دھونے) لگے پانی جو زمین پر گر رہا تھا اس کی کچھ چھینٹیں توشہ دان پر اور تلی ہوئی مچھلی پر بھی پڑیں بس چھینٹوں کا پڑنا تھا کہ مچھلی پہلے کچھ کلبلائی پھر اس نے ایک جست جو لگائی تو سنگم کے قریب گری اور وہاں سے جو تڑپی تو پانی میں جا پہونچی اور حضرت یوشع حیرت میں دیکھتے ہی رہ گئے

وہ چشمہ جس کا پانی حضرت یوشع نے لیا تھا دراصل آبِ حیات کا چشمہ تھا مگر حضرت یوشع اس کو آبِ حیات اس لئے نہ سمجھ سکے کہ وہ تو مچھلی کے زندہ ہو کر غایب ہونے کے خود ہی انتظار میں تھے اور جب وہ زندہ ہوئی تو اس کو براہِ راست خدا کی قدرتِ کاملہ کی وجہ سے سمجھ رہے تھے، مچھلی کا زندہ ہونا انھوں نے دیکھا مگر ان کا ذہن ادھر منتقل ہی نہ ہو سکا کہ یہ اس چشمہ کے پانی کی تاثیر ہی سے زندہ ہوئی۔

اس کے آگے واقعہ طویل بھی ہے اور ہمارے موضوع سے خارج بھی اس لئے ہم اس کی تفصیلات تو نظر انداز کرتے ہیں لیکن تاہم اگر ذیل کی چند اطلاعات یہاں ہم درج نہ کر دیں گے تو ہمیں یقین ہے کہ ناظرین اس واقعہ مذکورہ ہی کے سمجھنے میں بھی بے حد تشنگی محسوس کریں گے اس لئے اس حکایتِ لذیذ کو کچھ اور بیان کرنے کی اجازت اور معافی چاہتے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰؑ کو کچھ تکلیف اٹھانے کے بعد سنگم ہی پر (یا اس کے متصل ہی کسی جزیرہ پر) ایک بزرگ نظر آئے یہ حضرت خضرؑ تھے۔

۲۔ حضرت کا نام بلیا مین بن ملکان تھا خضران کا لقب تھا جو اس وقت سے آج تک نام سے زیادہ مشہور ہے۔

۳۔ خضران کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جہاں بیٹھتے یا لیٹتے یا خدا کی عبادت کرتے اس جگہ کی

---

[1] جلالین صفحہ ۲۴۶ کا حاشیہ ۱۱۔ ابن کثیر ۳ ص ۹۳ [2] حیات خضر ص ۱۹ [3] ایضاً ص ۱۔

خشک گھاس بھی ہری[1] ہو جاتی چوں کہ سبز چیز کو عربی میں خضر کہتے ہیں اس لئے آپ اپنی کرامت کے سبب اس نام اور لقب سے مشہور ہو گئے [غالباً یہی تخیل آپ کے ساتھ اس قدر وابستہ ہو گیا ہے جس کے باعث جس کسی نے بھی آپ سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اس نے آپ کے لباس یا چادر یا عصا یا عمامہ وغیرہ کے سبز ہونے کا ذکر ضرور کیا ہے]

۴۔ ان کا مشہور زمانہ پیغمبر ابو الاقوام سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قبل کا ہے اور یہی صحیح ترین قول ہے سیدنا ابراہیمؑ کے دادا (ناحور) اور حضرت خضر دونوں چچیرے[2] بھائی تھے اب تاریخ اٹھا کر دیکھئے تو ابراہیمؑ کا زمانہ آج سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے (تین ہزار برس قبل مسیحؑ) معلوم ہوتا ہے

۵۔ حضرت خضرؑ کے زمانہ میں ایک مسلمان بادشاہ عبد اللہ بن ضحاک نامی تھا آپ اس کے مختلف سفروں میں ہمراہ تھے، وہ کسی وجہ سے ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا (جس کا ذکر قرآن میں ہے) کہتے ہیں کہ اسے بھی چشمۂ آب بقا کی تلاش تھی حضرت خضرؑ نے ان سفروں میں کسی جگہ بے خبری میں محض "بخت و اتفاق" سے بلا قصد اور بغیر تلاش کے ایک چشمہ سے پانی پی لیا جو آب حیات تھا مگر چونکہ آپ نے اسے آب حیات نہیں سمجھا تھا اس لئے اس کی کوئی علامت یا اس کا کوئی پتہ بھی آپ یاد نہ رکھ سکے کہ کسی کو بتا سکتے۔[3]

۶۔ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کی طویل زندگی (جسے گو عرفِ عام میں حیاتِ ابدی اور عمر جاوداں کہتے ہیں مگر کہنا نہ چاہئے کیوں کہ ابد تک کی مسلسل زندگی ان کو نہیں ملی ہے بلکہ صرف قیامت تک کی زندگی ملی ہے صور پھونکنے پر ساری مخلوقات کے ساتھ ان کو بھی موت آئے گی) اپنے فضلِ خاص سے عطا فرمائی ہے اور اس کا سببِ ظاہری یہ بھی ہو گیا کہ آپ نے اس چشمہ کا پانی پی لیا جس کی تاثیر حیات بخش ہے تمام مسلمانوں کا اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ زندہ ہیں اکثر لوگوں سے ملے اور ملتے ہیں[4]۔

۷۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات جس جگہ ہوئی ہے اس کی تعین

---

[1] حیات خضر ص۲ [2] ایضاً ص۳ و۴ [3] حیات خضر ص۴ و۵ [4] ایضاً ص۳۰

بھی مفسرین نے کی ہے کہ بحر احمر کی دو شاخیں[1] (خلیج عقبہ اور خلیج سویز) جہاں باہم ملی ہیں وہ سنگم ان کی جائے ملاقات ہے [احقر کو اس سے کچھ اختلاف ہے جیسے اشارتاً اوپر عرض کر چکا ہوں]

(۳)

یہاں پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ اوپر کے بیانات کا خلاصہ دوبارہ لکھ دیا جائے اور دونوں سنگموں کے خصائص پر بالمقابل بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

۱۔ الہ آباد کے سنگم پر بھی دو دریا ملتے ہیں اور ان میں ساتھ ہی ساتھ ایک تیسرا چشمہ یا دریا سرسوتی نام کا ملنا بھی مانا جاتا ہے موسیٰؑ اور خضرؑ کے اس تاریخی سنگم پر بھی دو دریا ملے اور ایک تیسرا چشمہ بھی ان کے قریب بلکہ درمیان ہے جیسا اوپر آچکا۔

۲۔ الہ آباد کا تیسرا چشمہ یا دریا بھی عام نگاہوں سے مخفی مانا گیا ہے اور موسیٰ و خضر کے سنگم پر بھی تیسرا چشمہ عام نگاہوں سے مخفی ہی ہے کیوں کہ اگرچہ حضرت خضر نے بھی اسے دیکھا بلکہ اس کا پانی بھی پی لیا اور اس طرح حضرت یوشع نے بھی اسے دیکھا اور اس کے اثر سے مچھلی میں جان پڑ گئی مگر چوں کہ دونوں اس کی خاصیت اور حقیقت سے بے خبر تھے اور بے خبر رہے اس لئے اس کا نظر آنا نہ آنا دونوں برابر ہیں اب بھی اسے مخفی ہی سمجھنا چاہیئے۔

۳۔ الہ آباد کے اس تیسرے چشمہ سرسوتی کو علم کی دیبی مانا گیا ہے اور موسیٰ و خضر کے اس تاریخی سنگم کے تیسرے چشمہ کو علم سے بڑی قوی مناسبت ہے کیوں کہ علم ہی حاصل کرنے کے لئے موسیٰؑ چلے تھے خضر کے علم ہی کی شہادت خدا نے دی، وہ سنگم علم ہی کے حصول کی جگہ تھی۔

۴۔ جس طرح پریاگ میں ایک بڑے رشی رہا کرتے تھے جن کا نام بھردواج تھا اسی جگہ اس سنگم پر بھی حضرت خضر رہا کرتے تھے۔

۵۔ الہ آباد کے دونوں دریا غالباً خود اپنی فضیلت کی روایتوں کی بناء پر متبرک ہیں اور ان کا ہر حصہ جو کسی سرزمین سے گذرتا ہو متبرک ہے لیکن سنگم کا حصہ تو سرسوتی ہی کے باعث زیادہ متبرک ہے

---

[1] ترجمہ قرآن از عبد اللہ یوسف علی ص ۷۴۴ حاشیہ ۲۴۰۵

موسیٰ و خضر کے دونوں دریا (خلیج عقبہ و خلیج سویز) بھی اپنی پڑوسی قوموں کی نظروں میں یقیناً اسی طرح متبرک اور روایات سے افضل ہوں گے جیسے یہاں کے دریا لیکن ان کا سنگم اس تیسرے چشمہ کے باعث بہت ہی زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی قوم اپنے مذہب کی معتدل اور مستحکم تعلیمات کے باعث عجائب پسندی ہی کے درجہ میں رہ گئی اور حدود سے آگے بڑھ کر عجائب پرست نہیں بن گئی ورنہ موسیٰؑ کی جیسی عظیم شخصیت، خضرؑ جیسے پُراسرار اور حیرت آفریں بزرگ کے جہاں قدم جائیں اور وہ بھی علم جیسے متبرک گوہر کی تلاش میں اس جگہ کے مقدس ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے وہ جگہ متبرک کیوں نہ ہوتی جب

اس جگہ کو بعض مفسرین کرام نے موسیٰؑ و خضرؑ کے یکجائی کے ساتھ ساتھ علم تشریع (احکام) اور علم تکوین (اسرار) کا بھی سنگم کہا ہے، وہ حضرت موسیٰؑ کو شریعت و احکام کا نمایندہ اور حضرت خضرؑ کو تکوین و اسرار کا نمایندہ مان کر فرماتے ہیں کہ بعض لوگ جو شریعت کو اسرار سے الگ مانتے ہیں یہ غلط ہے دیکھو دونوں ایک جگہ جمع ہوئے کچھ دنوں ساتھ رہے اسی طرح علم تشریع و تکوین بھی جمع ہوئے اور ہو سکتے ہیں اور ساتھ بھی رہ سکتے ہیں مگر آگے چل کر دونوں کا الگ ہونا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ دنیا کا نظام قایم نہ رہے۔ مثلاً خضرؑ نے ایک لڑکے کو خدا کے حکم سے اسرارِ خدا پر مطلع ہو کر قتل کر دیا پھر اس کی وجہ بتلائی کہ یہ بڑا ہو کر بڑا خبیث بد باطن ہوتا، دوسروں کو گمراہ کرتا غور کیجئے اگر وہ بڑا ہو جانے پاتا اور اپنی بد باطنی ظاہر کرنے پاتا تو کیا وہی حضرت موسیٰ جنہوں نے اس کے قتل پر تو حضرت خضرؑ پر اعتراض جڑ دیا تھا اس بد باطن کو قتل نہ کر دیتے پس معلوم ہوا کہ علم تکوین و اسرار دراصل علمِ تشریع و احکام سے الگ تو نہیں ہے ہیں دونوں ایک ہی چیز مگر فرق کچھ ظہور و خفا کا ہے۔ شریعت اور احکام اس وقت کسی کی جان لیں گے یا کسی معاملہ میں مداخلت کریں گے جب کوئی برائی ظہور کرے گی۔ علم تکوین و اسرار اس کا انتظار نہیں کرتا و [illegible] ([illegible] کا قائل ہے، ہیں دونوں علمِ صحیح اور علمِ عظیم البتہ ایک عقل و برہان کے مطابق اور دوسرا عقل و برہان سے بالا۔

۲- وہ ایک طرح سے حضرت خضرؑ کی مستقل جائے قیام سی بن گئی تھی چنانچہ ان کے پتہ میں وہی جگہ بتائی گئی تھی [اور اسی جگہ سے یہ بات عین مطابقِ قیاس اور قرینِ عقل سی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خضر نے بھی یقیناً اسی سنگم کے اسی چشمۂ آبِ حیات ہی سے لے کر پانی پی لیا تھا وہ کوئی دوسرا چشمہ نہیں تھا]

(۴)

اس حیرت انگیز توافق کو معلوم کر لینے کے بعد بھی - سچ پوچھئے تو - ذہن کچھ خلا سا کچھ تشنگی سی محسوس کرتا ہے یعنی یہ کہ "کاش کسی طرح ان دونوں متوافق سنگموں کے تقدس و تبرک کی تاریخ برسوں اور سنوں میں یا صدیوں میں بھی معلوم ہوتی تاکہ دو باتوں کا فیصلہ کرنا ممکن ہوتا۔

(الف) ان دونوں کے تقدس و تبرک میں کون زیادہ پرانا اور تاریخ میں مقدم ہے

(ب) آیا یہ توافق محض اتفاقی ہے (کہ اس کے بھی نظائر و امثال اس عجائب خانہ عالم میں کم نہیں ہیں) یا اس معاملہ میں بھی کوئی ایک قوم دوسری سے کچھ متاثر ہوئی ہے (کہ اس کے بھی نظائر و امثال تاریخ کے نمائش گھر میں کثرت سے ہیں)"

تاریخ مشایخ چشت

یہ سلسلۂ چشت کے صوفیائے کرام اور مشایخ عظام کی نہایت مستند اور محققانہ تاریخ ہے۔ اردو زبان میں صوفیہ کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں امت کے ان پیشواؤں کے مقصدِ حیات، نظام اصلاح و تربیت اور ولولۂ تبلیغِ حق پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے صرف مقدمہ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے جو ہر اعتبار سے تلاش و تحقیق کا شاہکار ہے۔

کتاب ہر حیثیت سے لائق مطالعہ ہے اس کی اشاعت سے ہندوستان کے مشایخ چشت کے حالات کی تحقیق کا ایک نیا باب کھل گیا ہے۔ صفحات ۸۱۰، بڑی تقطیع کتابت، طباعت، کاغذ نہایت اعلیٰ قیمت بارہ روپے (عہ)، مجلد تیرہ روپے (عہ)